وحدت ملی اور اقبال

محمد شریف چودھری

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
اقبال سائبر لائبریری
©2002-2006

پس منظر

جب کوئی قوم اپنے حقیقی مرکز سے کٹ جاتی ہے یا اپنے اصل نصب العین اور مرجع سے انحراف اختیار کرلیتی ہے تو لازماً اس کا نتیجہ خلفشار اور باہمی افتراق کے سوا کچھ نہیں ہوتا' خواہ اس کے عوامل کچھ بھی ہوں۔ یہی حال ملت اسلامیہ کا ہوا' چنانچہ جب تک مسلمانوں میں توحید کے پاکیزہ منشا کے مطابق وحدت برقرار رہی' ان کی شیرازہ بندی زمانے کے تند و تیز حوادث اور گزند سے محفوظ رہی۔

بیسویں صدی عیسوی اور اس سے قبل کا زمانہ ملت مسلمہ کی زبوں حالی اور زوال کا عرصہ شمار ہوتا ہے۔ اس وقت ترکوں کو اپنی گزشتہ عظمت پر گھمنڈ تھا لیکن ضعف و اضمحلال کے باعث یورپ کے مرد بیمار گردانے جاتے تھے۔ عرب اپنے عرب ہونے پر فخر کرتے' اور عجمیوں کو تحقیر آمیز نگاہوں سے دیکھنے پر مجبور تھے۔ ایرانی اپنا مجد و شرف تاریخ اسلام سے قبل تلاش کرنے میں سرگرداں دکھائی دیتے' اور ساتھ ہی روسیوں اور انگریزوں کی یغماگری کا شکار بھی تھے۔ افغان بھی یورپی استعمار طلب گروہ کے ہتھکنڈوں سے فریب خوردہ تھے اور برصغیر کے مسلمان بھی محض نام کے مسلمان تھے جو استعماری قوتوں کے دست نگر اور غلام بن کر رہ گئے تھے۔ افریقہ (شمالی) کے مسلمان فرانس' برطانیہ اور جرمنی کے استبدادی پنجے میں جکڑے ہوئے تھے۔ گویا اس وقت دنیا بھر کے مسلمانوں میں نفاق و انفکاک کا مہلک مرض پیدا ہو چکا تھا اور ان کی وحدت کا تانا بانا بکھر چکا تھا۔ ہر قوم اپنے آپ کو ملی احساس کی بنیاد پر مشخص کرتی تھی۔ اس کے علاوہ دیگر مختلف النوع عوامل مثلاً سستی' کاہلی' سہل پسندی' تعیش' راحت طلبی' خود خواہی' بے عملی' تقدیر پرستی' ذات برداری اور رنگ و نسل کی بنا پر گروہ بندی' مذہبی تعصب' نظریہ وطنیت کی پیروی' معاشی اور طبقاتی ناہمواری' مال و منال دنیا سے والہانہ محبت' خود فراموشی کے باعث خدا فراموشی' اور سب سے بڑی بات اسلام کے سنہری اصولوں سے روگردانی اور سامراجی اقوام کی کورانہ تقلید کے باعث ذلت و رسوائی ان کا مقدر بن چکی تھی۔ اسی لیے علامہ اقبال نے ملت اسلامیہ کی مندرجہ صدر خامیوں کے پیش نظر ان کو اپنے اردو اور فارسی کلام میں ہدف تنقید ہی نہیں بنایا بلکہ ان کا مداوا بھی پیش کیا ہے' ورنہ ان کی سخن سرائی کا مقصد محض شعرگوئی نہیں' بقول خودش۔

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ
عشق کارے است کہ بے آہ و فغاں نیز کنند[1]

علامہ اقبال کی نظر میں ملت اسلامیہ کی حیات اجتماعی میں اخوت، یکجہتی، وحدت فکر و نظر اور فعالیت کا فقدان ہے۔ چنانچہ وہ ان امراض کی نشاندہی کہیں رمز و ایماء کے پیرائے میں کہیں تشبیہ و استعارہ میں ڈھال کر ان کے زخموں پر مرہم رکھتے ہیں۔ بلامبالغہ وہ محبت و الفت کے علمبردار ہونے کی مناسبت سے اتفاق و اتحاد کی اہمیت پر زور دیتے ہیں اور مشفقانہ انداز میں مسیحائی کا فریضہ ادا کرتے ہیں ـــــ زیر نظر موضوع "وحدت ملی" ان کے جملہ کلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ چنانچہ وہ سابقہ اقوام عالم کی تباہی و بربادی اور المناک انجام کو مدنظر رکھ کر امت مسلمہ سے مخاطب ہیں ۔

عبرتے اے مسلم روشن ضمیر
از مال امت موسیٰ بگیر
داد چوں آں قوم مرکز را ز دست
رشتہ جمعیت ملت شکست

دہر سیلی بر بنا کوشش کشید
زندگی خوں گشت و از چشمش چکید[2]

چنانچہ مسلم ممالک میں رجوع الی المرکز اور اتحاد بین المسلمین کی تحریک کے لیے سب سے پہلے جمال الدین افغانیؒ نے کوششیں شروع کیں، اس کے بعد مسلمانوں میں عالمی اتحاد اور یکجہتی کی تحریک کو علامہ اقبال نے آگے بڑھایا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد استعماری طاقتوں کی ریشہ دوانیوں اور صیہونی سازشوں کی بدولت مسلم ممالک میں زبردست خلفشار رونما ہوا۔ سلطنت عثمانی کی وحدت پارہ پارہ ہوئی، شرق اوسط میں کئی ریاستیں معرض وجود میں آئیں اور ساتھ ہی ساتھ بین الاقوامی یہودی لابی اور صیہونی ٹولے نے استعمار کی پشت پناہی شروع کر دی جس کے نتیجے میں دنیائے عرب کے قلب میں، اسرائیلی ریاست کی شکل میں، ایک مستقل ناسور پیدا ہوا۔ علاوہ بریں اسلام دشمن اقوام کے جارحانہ ارادوں اور توسیع پسندانہ عزائم نے عالم اسلام کی سالمیت میں رخنہ اندازی پیدا کر دی۔ دوسری جانب ملت اسلامیہ کا اندرونی خلفشار حالات و اوضاع میں پراگندگی اور باہمی منافرت کو جنم دے رہا تھا اور اس کا واحد حل عاقبت اندیش دانشوروں کی نظر میں وحدت فکر و نظر کے علاوہ مرکز توحید سے وابستگی ہی ہو سکتا تھا۔ یہی وہ پس منظر ہے جس کا اظہار انہوں نے ان اشعار کے ذریعے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے کیا ہے ۔

کیا سناتا ہے مجھے ترک و عرب کی داستاں
مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیلؑ

خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز

حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی[3]
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز

ایک دوسری جگہ اقوام مغرب کی چیرہ دستیوں کو جس دردانگیز اور دلدوز انداز میں پیش کیا ہے' وہ ان کے دکھی دل کی مکمل عکاسی کرتا ہے۔

اے ز کار عصر حاضر بے خبر
چرب دستیہائے یورپ را نگر

زخم ازو' نشتر ازو' سوزن ازو
ما و جوئے خون و امید رفو[4]

فتنہ ہا ایں فتنہ پرداز آورد
لات و عزیٰ در حرم باز آورد

کہنہ دزدے غارت او برملاست[5]
لالہ می نالد کہ داغ من کجاست

اجتماعیت

قرآن کریم کی تعلیمات کا مرکزی نقطہ "توحید" ہے' یعنی اس وسیع و عریض کائنات میں خالق حقیقی کے سوا کوئی ہستی موجود نہیں کہ انسان جس کی فرمانبرداری اور اطاعت میں زندگی گزار سکے۔ اسلام کی رو سے انسان کی تخلیق کا مقصد محض عبادت اور بندگی ہے' لہٰذا وہ روئے زمین کے تمام انسانوں کو اسی ایک عظیم مقصد کے لیے متحد کرنے کا حق رکھتا ہے' اور اس کی بدولت ان کے نظریات' خیالات اور احساسات یکساں ہوں گے تو وہ ایک امت کہلا سکتے ہیں۔ چنانچہ جب تک امت مسلمہ نے کتاب اللہ اور اس کی حکیمانہ تعلیمات کو حرز جاں بنائے رکھا اور اسلام کے عالم گیر قوانین کی پاسداری کا مظاہرہ اپنی عملی زندگی سے کرتے رہے' وہ ایک ہی امت کہلائے۔

برگ و ساز ما کتاب و حکمت است[6]
این دو قوت اعتبار ملت است

امت مسلم ز آیات خداست
اصلش از ہنگامہ قالوا بلیٰ ست

ما کہ توحید خدا را حجتیم
حافظ رمز کتاب و حکمتیم[7]

قرآنی احکام کی پابندی میں انفرادیت کے ارتقاء کے ساتھ اجتماعیت کا راز بھی مضمر ہے۔ سب سے پہلے عبادت کے لیے اسلام جو معنی و مفہوم متعین کرتا ہے' اس میں انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی لمحہ اس سے باہر اور آزاد تصور نہیں ہوتا' چنانچہ ہر جگہ' ہر حال میں احکام الٰہی کے مطابق دنیاوی امور کی انجام دہی عبادت ہی شمار ہوتی ہے۔ بہرکیف' اسلام عبادت کے لیے ایک ہی سمت مقرر کر کے جماعت میں اتحاد اور یگانگت کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور ایک خدا کے حضور ایک جیسی دعائیں' ایک جیسا طریق عبادت اپنا کر عملی ہم آہنگی' معاشرتی مساوات اور یکسانیت کو جنم دیتا اور نسل و خون کے امتیازات کو ختم کرتا ہے۔ قرون اولیٰ میں نماز نے مسلمانوں کے قلوب کو باہمی یگانگت کے جذبات سے سرشار کیا۔ ان کی اجتماعی عبادت تالیف قلوب کا موجب بن گئی۔ اقبال نے توحید کو صدف اور نماز کو گرانقدر گوہر قرار دیا ہے اور نماز کو مسلمان کے لیے حج اصغر کا درجہ دیا ہے۔

لا الہ باشد صدف' گوہر نماز
قلب مسلم را حج اصغر نماز[8]

نماز جسم اور روح' دونوں کا تزکیہ کرتی اور انفرادی شعور بیدار کر کے اجتماعی خودی کو عارفانہ مقام بخشتی ہے۔ یہی وہ عبادت ہے جو معاشرتی برائیوں اور بے حیائیوں کا قلع قمع کر کے فرد سے بڑھ کر معاشرے کی تطہیر کا باعث بنتی ہے۔

در کف مسلم مثال خنجر است
قاتل فحشاء و بغی و منکر است[9]

نماز صرف دلی سکون عطا کرنے کا مثالی ذریعہ ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو استحکام و استقرار بخشنے کا کامل ترین ذریعہ بھی ہے کیونکہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے تمام دھارے اسی سرچشمے سے پھوٹتے ہیں۔ علامہ اقبال نے نماز کی اہمیت کو اپنے اشعار کے ذریعے اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے نزدیک خدا کے سامنے جھکنے والا سر کبھی کسی غیر کے سامنے نہیں جھکتا اور انسانی اقتدار کے سارے لات و منات اس ایک سجدے سے پاش پاش ہو جاتے ہیں۔

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
اگرچہ پیر ہے آدم' جواں ہیں لات و منات
یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات[10]

وہی سجدہ ہے لائق اہتمام

کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام[11]

اسلام ملت اسلامیہ کی عالم گیر تنظیم کی عمارت ایسی بنیاد پر اٹھاتا ہے جو ایک ناقابل تسخیر چٹان کا درجہ رکھتی ہے۔ حج یہی فلسفہ پیش کرتا ہے۔ رنگ و نسل، عربی و عجمی، لسانی امتیازات اور مرز و بوم کے بتوں کو تہس نہس کر کے عالمی برادری کا بے مثال عملی نمونہ پیش کرتا ہے۔ اسلام خوف خدا، محبت، اخوت، مساوات، برابری اور برادری کے علاوہ مرکز سے وابستگی کی جو نعمتیں دنیا کے لیے لایا ہے، بیت اللہ کا سالانہ اجتماع اس کی پوری بہار کا زمانہ ہوتا ہے۔ حج اسلامی ثقافت کو صبغۃ اللہ میں رنگ کر اسلامی وحدت کی تسبیح میں پرو دیتا ہے۔ جہاد، ترک وطن، خویش و اقارب کی فرقت اور ہجرت جیسے مقدس امور کا پاکیزہ درس حج کا اصل فلسفہ ہے۔ اقبال اس نظریے کو یوں بیان کرتے ہیں ۔

مومناں را فطرت افروز است حج
ہجرت آموز و وطن سوز است حج
طاعتے سرمایۂ جمعیتے
ربط اوراق کتاب ملتے[12]

بلاشبہ حج مسلمانوں کی سیاسی، تمدنی، معاشی، معاشرتی، اجتماعی اور روحانی زندگی کی بنیادوں کو استوار کرتا ہے۔ ہر سال دنیا کے ہر گوشے سے انسانوں کا کثیر تعداد میں ایک مقصد کی خاطر جمع ہونا اور اس مرکز سے والہانہ عقیدت وابستہ کر کے اس کی حفاظت کو اپنا شعار بنانا اسلام کا اصل مقصد اور مدعا ہے۔ اسی بنیاد پر اقوام غیر کے نظریہ جمعیت کے تقابل میں اقبال نے صراحت کی ہے ۔

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام
پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدت آدم
تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملت آدم
مکے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام
جمعیت اقوام کہ جمعیت آدم؟[13]

کلام اقبال کے بغور مطالعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ وہ قرآنی تعلیمات سے بے پناہ متاثر تھے۔ ان کے فکر انگیز نظریات اور خیال افروز اشعار میں توحید، رسالت، اتحاد، اخوت، حریت اور مساوات وغیرہ کے موضوعات براہ راست قرآن حکیم کی پاکیزہ تعلیمات کا جمیل عکس نظر آتے ہیں۔ بالخصوص توحیدی نظریہ ان کے کلام کا طرۂ امتیاز اور اشعار کی روح رواں ہے۔ ان کا پختہ ایمان تھا کہ انسان توحید ہی کی بدولت اپنی خودی کو مستحکم کر کے منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے اور یہ وہ اکسیر ہے جو انسانوں کو انفرادیت سے اجتماعیت کے صراط مستقیم پر گامزن کر کے قوت، تمکنت، حکومت، جلال و جبروت اور توقیر بخشتی ہے۔ یہ محض ایک تخیلی دنیا کی پیداوار نہیں بلکہ عہد نبوی اور خلافت راشدہ کا سنہری دور اس کی زندہ جاوید مثال ہے۔

موجودہ دور میں اگر ملت اسلامیہ عدم اطمینان' تشتت' پریشانی' افتراق اور پراگندگی کا شکار ہے تو اس کی بین وجہ توحید سے بیگانگی اور اس کے تقاضوں اور مضمرات سے ناآشنائی اور غفلت کا نتیجہ ہے۔ توحید کا بیش قیمت سرمایہ کھو کر بھی اس ملت کو احساس نہیں ۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا[14]

ملت اسلامیہ کے اقصائے عالم میں منتشر افراد کی حیات و ممات اگر مرکز ہی کے لیے مختص ہو جائے اور وہ "کعبے" کو اپنے سینوں میں سانس کی طرح محفوظ کرلیں بعینہ جیسے جسم و جان میں من و تو کا تفاوت ہرگز نہیں رہتا تو ایسی صورت میں جسد ملت کا سلسلہ تنفس کی صورت میں منقطع نہ ہونے پائے گا' یہاں تک کہ اس کے وجود کے اثبات پر کسی دلیل و برہان کی بھی ضرورت نہیں ۔

چوں نفس در سینہ او پروریم
جان شیریں است او ما پیکریم

دعوی او را دلیل استیم ما
از براہین خلیل استیم ما[15]

اسی مقدس مرکز سے لگاؤ کی بدولت ملت اسلامیہ کی شہرت اور دبدبہ چار دانگ عالم میں پھیل سکتا ہے اور اسی کے فیضان سے ہمارے حدوث کا رشتہ قدم سے جڑ کر فانی ہونے کے باوجود بقا کا شرف حاصل ہو سکتا ہے۔ آج یہ ملت دنیا کے گوشے گوشے میں موجود ہے لیکن اس مرکز سے کامل وابستگی نہ ہونے کے باعث ایک نہیں ہے۔ دنیا میں جمعیت کو قوموں کی جان تصور کیا جاتا ہے۔ جب تک جمعیت نہ ہو' قومیں معرض وجود میں نہیں آسکتیں۔

در جہاں ما را بلند آوازہ کرد
با حدوث ما قدم شیرازہ کرد

از حساب او یکی بسیاریت
پختہ از بند یکی خودداریت[16]

قوم را ربط و نظام از مرکزے
روزگارش را دوام از مرکزے

تو ز پیوند حریمے زندہ ای
تا طواف او کنی پائندہ ای
در جہاں جان امم جمعیت است

در نگر سر حرم جمعیت است[17]

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی![18]

وحدت کے مضمرات

توحید دین اسلام کی بنیاد اور بھلائیوں اور نیکیوں کی جڑ ہے۔ اس کی روشنی میں ایک ایسا اجتماعی نظام تشکیل پاتا ہے جو عالم گیر وفاق کی اساس ڈالتا ہے۔

ملت از آئین حق گیرد نظام
از نظام محکمے خیزد دوام
قدرت اندر علم او پیداستے
ہم عصا و ہم ید بیضاستے[19]

اس وفاق اور مرکزیت کے سامنے ایک نصب العینی حیات اور آخری منزل ہوتی ہے۔ عالم گیر برادری اور مساوات کا یہ رشتہ ایسا ہے جس میں نسل' خون' دولت' امارت اور وطن کے امتیازات ختم ہو جاتے ہیں اور ایک صالح و پاکیزہ معاشرہ معرض وجود میں آتا ہے جس میں سب انسان بحیثیت تخلیق برابر اور مساوی ہوتے ہیں۔ توحید انسانیت کو بانٹنے اور انسانوں کو انسانوں سے پھاڑنے کے بجائے ان کو باہم جوڑنے' ایک رب العالمین کی بندگی و اطاعت پر جمع کر کے یگانگت کی صف میں کھڑا کرتی ہے۔

علامہ اقبال کا عقیدہ ہے کہ جب ملت بیضا کے قلوب توحیدی جذبات و احساسات سے معمور ہوں تو ان میں یکساں فکر و نظر اور عملی وحدت کے اوصاف پیدا ہوں گے جس کے نتیجہ میں یکدلی' یکجہتی اور اخوت و محبت کا مظاہرہ ہوگا۔ چنانچہ توحید و رسالت کے ذریعے ملت کا جو تصور پیدا ہوا' اس نے عالم گیر اخوت و رافت ہی کو جنم نہیں دیا بلکہ توحید کی بدولت ملت اسلامیہ نے جو جمعیت و قوت کے کرشمے دنیا والوں کو دکھائے' وہ فقید المثال تھے۔ ان کے جلال و جبروت کا فقط تذکرہ سن کر قیصر و کسریٰ لرزہ براندام ہو جاتے تھے۔ جونہی ملت نے اس گرانقدر دولت سے اپنی تن آسانی اور اپنے اسلاف کے کردار و عمل سے بے اعتنائی اور عدم پیروی کی بدولت منہ موڑ لیا' وہ جملہ اوصاف ان کی زندگیوں سے بتدریج کافور ہوتے چلے گئے۔ ان اشعار میں یہی نکتہ بیان ہوا ہے۔

از نیاگاں دفترے اندر بغل
الاماں از گفتہ ہائے بے عمل

آہ قومے دل ز حق پرداختہ
مرد و مرگ خویش را نشناختہ[20]

اپنی اصلیت پہ قائم تھا تو جمعیت بھی تھی
چھوڑ کر گل کو پریشاں کاروان بو ہوا

آبرو باقی تری ملت کی جمعیت سے تھی
جب یہ جمعیت گئی، دنیا میں رسوا تو ہوا

پھر کہیں سے اس کو پیدا کر، بڑی دولت ہے یہ
زندگی کیسی جو دل بیگانہ پہلو ہوا[21]

اہل حق را رمز توحید ازبر است
در "اتی الرحمن عبداً" مضمر است
تا ز اسرار تو بنماید ترا
امتحانش از عمل باید ترا
دین ازو، حکمت ازو، آئین ازو
زور ازو، قوت ازو، تمکین ازو[22]

وحدت ملی اقبال کا محبوب موضوع ہے۔ اپنی شاعری کے بالکل ابتدائی دور میں بھی انھوں نے توحید ہی کو انسانوں کی وحدت پر استدلال کیا ہے۔ "تصویر درد" میں نسلی و قومی تعصبات سے دلوں کو پاک رکھنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہتے ہیں:

زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے
کنویں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل! جو مطلق تھا مقید کر دیا تو نے[23]

اسی طرح "جواب شکوہ" میں مسلمانوں کو یہ طعنہ دیا گیا ہے کہ جب تمہارا خالق ایک ہے، نبی ایک ہے، کتاب ہدایت ایک ہے، تو پھر تم مسلمان کیوں ایک نہیں ہو۔ تم نے کبھی سوچا کہ تمہاری فرقہ پرستی اور گروہ بندی توحید پرستی کے منافی ہے؟ اگر تم ایک خدا کو حقیقی معنوں میں ماننے والے

ہوتے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ تم بھی ایک ہوتے۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی' نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی' دین بھی' ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی' اللہ بھی' قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک!
فرقہ بندی ہے کہیں' اور کہیں ذاتیں ہیں[24]
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

"رموز" میں بھی اقبال نے اس بات پر زور دیا کہ توحید ہماری ذہنیت کی جان ہے۔ ملت اسلامیہ ایک جسد کے مانند ہے اور توحید اس کی روح و رواں۔ یہی رشتہ ہمارے افکار' نظریات اور افعال کا شیرازہ بند ہے۔ اسی کی بدولت سلمان فارسیؓ' بلال حبشیؓ' صہیب رومیؓ اور ابوذر غفاریؓ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ دنیا بھر کی تمام قومیں حسب و نسب' وطن اور رنگ اور جانے کس کس بات پر فخر کرتی ہیں' لیکن ہمارے لیے ان میں سے کوئی شے باعث افتخار نہیں کیونکہ ہمارے دلوں میں توحید کا انمٹ نقش موجود ہے۔ ہماری ملت کی اساس چونکہ خدا کے یکتا ہونے کے عقیدے پر ہے' اور اسی کی بدولت ہم بھی ایک اکائی ہیں' ہمارے افکار و اعمال' زبان و دل اور احساسات و جذبات بلکہ مختلف قالب میں جان بھی ایک ہے۔

ملت ما را اساس دیگر است
این اساس اندر دل ما مضمر است
حاضریم و دل بغائب بستہ ایم
پس ز بند این و آں وارستہ ایم

تیر خوش پیکان یک کیشیم ما
یک نما' یک بیں' یک اندیشیم ما
مدعائے ما مآل ما یکی ست
طرز و انداز خیال ما یکی ست
ما ز نعمتہائے او اخواں شدیم[25]
یک زبان و یک دل و یک جاں شدیم

قوم تو از رنگ و خوں بالا تر است
قیمت یک اسودش صد احمر است

فارغ از باب و ام و اعمام باش

ہمچو سلمان زادۂ اسلام باش

نیست از روم و عرب پیوند ما
نیست پابند نسب پیوند ما

دل بہ محبوب حجازی بستہ ایم
زیں جہت با یک دگر پیوستہ ایم

ہرکہ پا در بند اقلیم و جد است
بے خبر از لم یلد لم یولد است [26]

اسلام کا مقصد دنیا میں ایسا معاشرہ قائم کرنا ہے جو پاکیزہ زندگی اور وسعت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہو۔ اسلام معاشرے کے لیے زندگی کی سب سے بڑی کامیابی یہ قرار دیتا ہے کہ انسان صرف اللہ ہی کے لیے جیے اور اسی کی خاطر مرے۔ یہی آفاقی مقصد تھا جو تمام انسانی تنگ نظریوں کو مٹا کر دنیا بھر کے انسانوں کو ایک پر امن عالم گیر معاشرے کی شکل دے سکتا ہے۔ اس قرآنی مقصد کی کامیاب ترین مثال قرون اولیٰ میں ملت اسلامیہ نے دنیا کے سامنے پیش کر دی۔ کتاب اللہ نے زندگی کے اسلامی مقصد اور اس سے پیدا ہونے والی اخوت و اتحاد کی دلربا تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے:

> "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور صرف اسلام پر مرو۔ سب مل کر اللہ کی رسی (دین اسلام) کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور ٹکڑے ٹکڑے مت ہو جاؤ اور اللہ کی (اس) مہربانی کو یاد کرو (جبکہ) تم ایک دوسرے کے دشمن تھے مگر اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی عنایت سے بھائی بھائی بن گئے (ورنہ) تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے، لیکن اللہ نے تمہیں اس (دشمنی کی آگ) سے بچالیا۔
> یوں اللہ اپنی آیتیں (اپنے قوانین) تمہارے سامنے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم (راہ) ہدایت پاؤ۔" (القرآن) [27]

ان چند پر مغز جملوں میں قوموں کی تقدیر کے تمام راز کھول کر بیان کر دیے گئے ہیں۔ جو معاشرہ قبائلی، علاقائی، صوبائی، ملکی اور نسلی تفریق کی لعنتوں میں گرفتار ہو، اس کے افراد ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو کر خونریزی، جنگ و جدال، دہشت گردی، لوٹ مار اور قتل و غارت کی بھیانک آگ کے الاؤ کے کنارے کھڑے ہوں، وہ معاشرہ کسی دم بھی اس گڑھے کی آتش سوزاں میں گر کر بھسم ہو سکتا ہے۔ اقبال نے اسی مناسبت سے کہا۔

کاید از خوں ریختن اندر طرب

نام او رنگ است و ہم ملک و نسب
آدمیت کشتہ شد چوں گوسفند
پیش پائے این بت ناارجمند[28]

انہوں نے قومیت کے ہر اس تصور کی مخالفت کی جس کی بنیاد رنگ و نسل اور تہذیب و زبان پر تھی۔ ان کا خیال تھا کہ وطن کے سیاسی تصور نے قوموں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہیں اور مصنوعی حد بندیاں قائم کر کے بنی نوع انسان کا شیرازہ منتشر کر دیا ہے۔

اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے[29]

اقبال کے خیال میں جس طرح اسلام رنگ و نسل کے امتیازات کے خلاف ہے' اسی طرح وہ مسلمان کے لیے کسی خاص خطہ ارض کا پابند ہو کر رہنا پسند نہیں کرتا۔ اسلام کی نظر میں انسان اور انسانیت کی قدر ہے نہ کہ زمین کے کسی خاص ٹکڑے کی۔ یہ امر کسی حد تک درست ہے کہ انسان جس خاک میں جنم لیتا ہے' اس سے اس کو محبت ہوتی ہے' لیکن یہ محبت اتنی نہیں بڑھنی چاہیے کہ اس جذبے سے مغلوب ہو کر بنی نوع انسان کی حق تلفی کی جائے اور بلند پایہ اخلاقی اقدار کو خاک میں ملا دیا جائے۔ وہ کہتے ہیں ساری زمین اللہ کی ملک ہے اور تمام انسانیت کو خالق نے نفس واحد سے پیدا کیا ہے' لہٰذا تمام انسانیت کے لیے ایک وحدت ہونے کے ناتے کل روئے زمین اس کا مسکن ہے۔

ع ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست[30]

اخوت و موانست کا درس ان کے بیشتر اشعار سے عیاں ہے۔ یہی سبق کبھی رمز و ایما کے پیرائے میں کبھی استعارہ و تشبیہ کی صورت میں جھلکتا ہے' اور اسی مناسبت سے وہ امت مسلمہ کے عدم مواخات و بیگانگی کو دیکھ کر کبھی برہم دکھائی دیتے ہیں کبھی مشفقانہ انداز میں ملت اسلامیہ کے اس مہلک درد کی دوا تجویز کرتے ہیں' چنانچہ ان کی یہ دردمندانہ درخواست اردو اور فارسی کلام میں یکساں طور پر نظر آتی ہے۔

یہی مقصود فطرت ہے' یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری' محبت کی فراوانی
بتان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی' نہ ایرانی نہ افغانی[31]

خویشتن را ترک و افغاں خواندہٗ
وائے بر تو آنچہ بودی' ماندہٗ
وارہاں نامیدہ را از نامہا
ساز باخم درگذر از جامہا

صد ملل از ملتے انگیختی
بر حصار خود شبیخوں ریختی
یک شو و توحید را مشہود کن
غائبش را از عمل موجود کن[32]

یہ ہندی' وہ خراسانی' یہ افغانی' وہ تورانی
تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بے کراں ہو جا
غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا[33]

قرآن حکیم کا یہ اعلان کہ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں' ایک زندہ حقیقت کا اظہار ہے۔ اسلامی توحید سے پیدا ہونے والی اخوت ایسی صلابت رکھتی تھی جسے اسلامی اصطلاح میں "بنیان مرصوص" یعنی سیسہ پلائی دیوار سے تشبیہ دی ہے۔ علامہ اقبال نے مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو' جس کے سوتے توحید ہی سے پھوٹتے ہیں' دین اسلام کی حفاظت اور اس کی بقاء و دوام کا موجب گردانا ہے۔ بصد حسرت کہتے ہیں ع

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی[34]

تاہم توحید کے فیض سے مایوس بھی نہیں۔

کل مومن اخوۃ اندر دلش
حریت سرمایۂ آب و گلش
ناشکیب امتیازات آمدہ
در نہاد او مساوات آمدہ[35]

فکر اقبال کا اصل محور یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کے آئین' قوانین' نظم و ضبط اور قواعد زیست و حیات کا تانا بانا قرآنی تعلیمات سے بنا ہوا ہو۔ مسلم افراد کی زندگی ان آوفاقی اور عالم گیر مگر اٹل دساتیر کے بندھن میں بندھ جائے تو سرفرازی اور سربلندی بلکہ سروری ان کا مقدر بن جائے گی جیسا کہ قرآن میں وارد ہے "انتم الاعلون ان کنتم مومنین" یعنی اگر وہ اپنی بقا اور ثبات کے خواہاں ہیں تو ان کو خدائی احکام اپنا کر (کامل) مومن ہونے کا ثبوت پیش کرنا چاہیے تاکہ اس

ملت کی قوت و شوکت دنیا میں متحقق ہو سکے اور اس کے زیر اثر "خیر امت" ہونے کی مصداق بن سکے۔

توحید ایک ایسی ایٹمی طاقت ہے جو افراد کو وحدت کا مقام عطا کر کے ایک ناقابل تسخیر قوت بنا دیتی ہے' چنانچہ چشم فلک نے اس کا مشاہدہ میدان بدر میں کیا ہے۔ یہ توحید ہی کا فیضان ہے کہ فرد اس کی تاثیر سے لاہوتی اور ملت جبروتی بن جاتی ہے اور قلت' کثرت پر غلبہ پا کر وحدت کی جلوہ نمائی کا ثبوت پیش کرتی ہے۔

فرد از توحید لاہوتی شود
ملت از توحید جبروتی شود

بے تجلی نیست آدم را ثبات
جلوۂ ما فرد و ملت را حیات

یک نگاہی را بچشم کم مبیں
از تجلی ہائے توحید است ایں
ملتے چوں می شود توحید مست 36
قوت و جبروت می آید بدست

شاعر مشرق کو بلاد اسلامی کی گزشتہ شوکت گم گشتہ اور موجودہ دور میں عالم اسلام کی زبوں حالی کا شدید احساس تھا لیکن موخر الذکر ناگفتہ بہ حالت اور تاریخ اسلام کی حالیہ تاریک فضاؤں میں بھی انہیں امت مسلمہ کے پرشکوہ جاہ و جلال اور تمکنت کی چنگاریاں چمکتی نظر آتی تھیں۔ اقبال' غفلت شعار مسلمان سے یوں مخاطب ہوتے ہیں۔

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو
قطرہ ہے' لیکن مثال بحر بے پایاں بھی ہے
کیوں گرفتار طلسم ہیچ مقداری ہے تو 37
دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکت طوفاں بھی ہے

اقبال نے اپنے فکر انگیز کلام کے ذریعے نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگایا بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں میں باہمی اتحاد اور اخوت کا احساس اور ذہنی شعور پیدا کر دیا جو ملت اسلامیہ کے فکری ارتقاء اور تاریخ شناسی میں ایک روشن مینار کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ مسلمانوں کی قومیت کو کسی جغرافیائی' علاقائی اور نسلی امتیاز کا پابند تصور نہیں کرتے بلکہ مقتضائے احکام الٰہی دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کو عقائد و نظریات اور ذہنی و فکری اعتبار سے ایک واحد قوم بنانے کے متمنی ہیں۔ اسی عقیدے کی بنا پر وہ روئے زمین کے کسی خاص خطے کو مسلم کا مقام قرار نہیں دیتے کیونکہ ان کی نظر میں مسلمان ایک آفاقی مخلوق ہے جس کا منصب خلافت ارضی ہے اور

اس منصب جلیلہ کا حصول ان کی کثرت میں وحدت کی جلوہ گری پر موقوف ہے۔

نہ چینی و عربی وہ' نہ رومی و شامی
سما سکا نہ دو عالم میں مرد آفاقی

خاکی ہے مگر اس کے انداز ہیں افلاکی
رومی ہے' نہ شامی ہے' کاشی نہ سمرقندی![38]

ہے اگر قومیت اسلام پابند مقام
ہند ہی بنیاد ہے اس کی نہ فارس ہے نہ شام
آہ' یثرب! دیس ہے مسلم کا تو' ماویٰ ہے تو
نقطہ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو[39]

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لاکہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر[40]

علامہ اقبال دین حقہ' حرم (مرکز اسلام) اور کتاب ہدایت کی حفاظت اور استقرار اور اس کی تعلیمات پر کاربند رہنے کے متمنی رہے۔ ان کی خواہش تھی کہ دریائے نیل سے لے کر کاشغر کی دور دراز سرحدوں تک مسلمان ایک ہی ملت بن جائیں اور ساری دنیا میں اسلام کا جھنڈا لہرائیں تاکہ عظمت رفتہ دوبارہ عود کر آئے۔ اسی لیے وہ

ع معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز[41]

کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ وہ ملت اسلامیہ کو سرگرم عمل اور جذبہ اتحاد سے سرشار دیکھ کر متاع گم گشتہ کی بازیابی کی تمنا کرتے ہیں۔ اندیشہ ہائے دور دراز کے ذریعے حالات کے مد و جزر اور حوادث روزگار کے تلاطم خیز سمندر سے در آویزی کا درس دیتے نظر آتے ہیں۔

چو موج مست خودی باش و سر بطوفاں کش
ترا کہ گفت کہ بنشیں و پا بداماں کش[42]

ان کے نزدیک مسلمان آج بھی ذات برادری اور نسل و رنگ کی پابندیاں توڑ کر خود کو ایک واحد امت کے طور پر متحد و منظم کرلیں تو وہ اس عظیم مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔[43]

اے امین حکمت ام الکتاب وحدت گم گشتہ خود بازیاب

چونکہ توحید کا سرچشمہ لم یزل ذات سے وابستہ ہے' اس لیے جو قوم اس ابدی سرچشمے سے فیض

یاب ہو' اس کے دوام اور غالب رہنے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ اس دلیل کو اقبال نے "شکوہ" میں کس قدر لطیف پیرایہ میں بیان کیا ہے ۔

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن کہ ساقی نہ رہے' جام رہے[44]

اسلام ایک ابدی حقیقت کا نام ہے جو انسان کی تخلیق اور اس کی بقا سے دوامی رشتہ رکھتی ہے۔ ملت اسلامیہ "خیر امت" کے لقب سے نوازی گئی مگر اس کے ساتھ ہی جن جانکاہ مصائب و بلیات اور کڑی آزمائشوں سے اسے گزرنا پڑا' اس کے مقابلہ میں دنیا کی کسی قوم کو ان مشکلات و مصائب سے دو چار نہیں ہونا پڑا ع

جن کے رتبے ہیں بلند ان کو سوا مشکل ہے

ہلاکو خان نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجائی اور مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہائیں۔ تباہی و بربادی کا جو منظر پیش کیا اسے دیکھ کر کوئی مبصر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اب اسلام زندہ رہے گا یا مسلمان بہ حیثیت قوم باقی رہیں گے' لیکن زمانے نے دیکھا کہ مسلمان اس آزمائش سے بھی گزر گئے۔ فاتح قوم اسلام کی حقانیت و صداقت سے خود مفتوح ہو گئی ۔

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے[45]

اس کے مقابل رومی' ساسانی' یونانی اور مصری قوموں اور تہذیبوں کا حال دیکھو! ایک زمانے میں ان کا طوطی بولتا تھا۔ انہوں نے بام عروج پر پہنچ کر عظیم کارنامے انجام دیے' لیکن آزمائش کا وقت پڑنے پر وہ دائمی موت کی دستبرد سے نہ بچ سکیں اور اب صرف عبرت کے کھنڈرات باقی ہیں۔ رومیوں کی گرم بازاری اور جہاں گیری نیست و نابود ہو گئی' ساسانیوں کا قصر اقتدار منہدم ہو گیا' خم خانہ یونان کی رونق باقی نہ رہی اور مصری تہذیب کی ہڈیاں تہ اہرام دب کر خاک ہو گئیں۔ لیکن ملت اسلامیہ سینکڑوں امتحانوں اور کڑی آزمائشوں کی بھٹی سے گزرنے کے باوجود زندہ ہے اور تاقیامت زندہ رہے گی ۔

رومیاں را گرم بازاری نماند
آں جہانگیری و جہانداری نماند
شیشہ ساسانیاں در خوں نشست
رونق خم خانہ یوناں شکست

در جہاں بانگ اذاں بود ست و ہست
ملت اسلامیاں بود ست و ہست[46]

مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلماں' کہ ہے

اس کی اذانوں سے فاش سرِ کلیمؑ و خلیلؑ

مردِ سپاہی ہے وہ' اس کی زرہ لا الٰہ
سایۂ شمشیر میں اس کی پنہ لا الٰہ [47]

قومی اتحاد و یکجہتی کے لیے وحدت فکر و عمل کے علاوہ ہر قوم کے لیے ناگزیر ہے کہ مادی رنگ میں بھی کسی ایک مقام سے وابستہ ہو تاکہ اس کی جمعیت قائم رہے اور اس کا شیرازہ بکھرنے نہ پائے۔ روحانی طور پر ملت اسلامیہ کے اتحاد کا راز توحید و رسالت سے مربوط ہے' مادی صورت میں کعبتہ اللہ ملت کا مرکزِ محسوس ہے۔

ہمچناں آئین میلادِ امم
زندگی بر مرکزے آید بہم
حلقہ را مرکز چو جاں در پیکر است
خط او در نقطۂ او مضمر است
قوم را ربط و نظام از مرکزے
روزگارش را دوام از مرکزے
راز دار و راز ما بیت الحرم
سوز ما ہم ساز ما بیت الحرم [48]

یہ اتحاد دو وجوہ سے ناگزیر تھا۔ ایک وجہ یہ تھی کہ باہمی یکدلی اور موانست کے بغیر اسلامی ممالک مغربی سامراج سے نجات حاصل نہیں کرسکتے تھے۔ اقبال اس سے بخوبی واقف تھے کہ سامراجی قوتوں کا اصول "لڑاؤ اور حکومت کرو" ہے لہٰذا اس کا جواب اسی صورت میں دیا جاسکتا ہے جبکہ عالم اسلام میں مذکورہ اوصاف بدرجہ اتم موجود ہوں اور عظیم قومی مسئلوں اور اہم منصوبوں میں ہر شخص ملت کا ساتھ دے اور اختلاف و افتراق کی صدا کہیں سے بلند نہ ہو کیونکہ کمزور اور محکوم قوموں کے اختلافات ان کے لیے نہایت تباہ کن ثابت ہوتے ہیں۔ اسی لیے اقبال نے کہا۔

اے کہ از اسرارِ دیں بیگانہ
با یک آئیں ساز اگر فرزانہ
من شنیدستم ز نباضِ حیات
اختلاف تست مقراضِ حیات [49]

ان کی نظر میں وحدت اقوام کی پختگی کا راز ان کی نصب العینی یکجہتی میں مضمر ہے' نیز اس کی حفاظت ہی ان کی بقا کی ضامن ہے۔

کثرت ہم مدعا وحدت شود
پختہ چوں وحدت شود' ملت شود
زندہ ہر کثرت ز بند وحدت است

وحدت مسلم ز دین فطرت است

قوم را سرمایۂ قوت ازو
حفظ سر وحدت ملت ازو [50]

اسلامی ریاست کے ایوان کا سنگ بنیاد اور اس کی عمارت عمومی اکائیوں پر مبنی ہے لیکن یہ وہ عمومیت نہیں جو آجکل کے سرمایہ دار ملکوں میں مقبول ہے' جہاں انسانیت مختلف اقوام اور طبقوں میں منقسم ہے' جس کی آزادی اور مساوات کی اصطلاحیں اپنے اندر تمامتر غلامی اور طبقاتی درجہ چھپائے رکھتی ہے۔ اسلامی عمومیت کا مقصد یہ تھا کہ حیات اجتماعی کے مفاد کے لیے ایسے سیاسی نظام کو رائج کیا جائے جس میں انسان انسانوں پر کسی طبقہ یا شخص اقتدار کی خاطر حکومت نہ کر سکیں بلکہ اس نظام میں مساوات اور آزادی ایک عملی قدر کی حیثیت حاصل کرلیں۔ اس قدر کو حاصل کرنے کے لیے اسلامی نظام (سیاسی یا معاشی حیثیت میں) سارا اقتدار اور ملکیت خدائے واحد ہی کی ہے۔ خلافت کا کام یہ ہے کہ وہ ان روحانی اور معاشرتی اقدار کو قائم رکھے جن کی تعلیم کا سرچشمہ قرآن مجید ہے۔ ریاست میں خلیفہ کی قدر و منزلت حاکم یا مقتدر کی نہیں بلکہ وہ آئین الہی کا نگران اعلیٰ اور قوم کا خدمت گزار ہے۔ "سید القوم خادمهم" کے مصداق اس کی معاشرتی قدر ایک معمولی فرد کے برابر ہے جسے اگر وہ آئین الہی کی نگرانی نہ کر سکتا ہو تو قوم اس منصب سے علیحدہ کر سکتی ہے۔ خلافت کا کام توحید (لا الہ الا اللہ) اور رسالت (محمدؐ الرسول اللہ) کے تصورات کی عملی قدر کو زندگی کی رگ و پے میں جاری کرنا ہے۔

خلافت بر مقام ما گواہی است
حرام است آنچہ بر ما پادشاہی است
ملوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ
خلافت حفظ ناموس الہی است [51]

اسلام میں عدلیہ اور انتظامیہ' دونوں کو الگ الگ رکھا گیا ہے۔ خلیفہ بھی اگر کسی جرم کا مرتکب ہو تو قاضی وقت اسے عدالت میں بلا کر سزا دے سکتا ہے۔ اسلام کا یہی معاشرتی اور سیاسی نظام تھا جس نے دور اول کے مسلمانوں کو ایک ہی درجہ اور ایک ہی حیثیت دی اور جس میں انفرادی آزادی اجتماعی نصب العین کے لیے جدوجہد کرتی تھی۔ ایک عالم گیر انسانی برادری کے لیے خلافت کی مرکزیت ضروری ہے تاکہ انسانیت پھر قوم و وطن اور عربی و عجمی کے تخیلات کی دلدل میں پھنس کر طبقات میں نہ بٹ جائے اور اس کی شیرازہ بندی کا مضبوط قلعہ منہدم نہ ہونے پائے جیسا کہ علامہ نے اشارہ کیا ہے۔

عرب کے سوز میں ساز عجم ہے
حرم کا راز توحید امم ہے [52]

فی زمانہ جبکہ عیسائیت اسلام پر چرکے لگا رہی ہے' طاغوتی اور صیہونی طاقتوں کی یلغار سے اسلام کو

خطرہ درپیش ہے' نیز ہمسایہ ممالک کے ناپاک عزائم کا خدشہ' کشمیر' فلسطین' بوسنیا' چیچنیا ایسے مسلم ممالک یہودیت اور نصرانیت کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہیں' ناگزیر ہے کہ ہم حرم پاک کی مرکزی حیثیت کو زندہ رکھیں۔ تیسری اسلامی دنیا کا قیام' استحکام دین حقہ اور خانہ خدا کی حفاظت وقت کا اہم تقاضا ہے۔ اگر یہ نکتہ جس پر اقبال نے عمر بھر زور دیا ہے' ہم نے فراموش کر دیا تو اندیشہ ہے اسلامی ممالک کا آپس میں وہی حال نہ ہو جو انگلستان' فرانس اور جرمن کا حال انیسویں صدی کے نصف آخر اور بیسویں صدی کے نصف اول میں رہا ہے۔ ہمسایہ اور ہم مذہب ہونے کے باوجود اسلامی ممالک میں جو رقابت اور باہمی خلفشار رونما ہو رہا ہے' وہ اسلام کے نام لیواؤں اور دین حقہ کے علم بردار ممالک کی طاقت اور یکجہتی کو دھچکا لگا رہا ہے۔ تاہم یہ امر باعث مسرت ہے کہ بیشتر اسلامی ممالک میں جمال الدین افغانی اور علامہ اقبال کے افکار و نظریات کو عملی جامہ پہنانے کی کوششیں ہو رہی ہیں اور اسلامی ممالک کی سربراہی کانفرنسیں اور باہمی افہام و تفہیم سے درپیش مسائل کا حل اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ وقت کا اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ بیت اللہ کو مرکز قرار دے کر عالم اسلامی میں جذبہ اخوت اور صحیح نصب العین کا تعین کر کے انقلابی تحریک چلائی جائے۔ ایسا نہ ہوا تو اسلامی ممالک ماسکو اور واشنگٹن کے مابین بٹ کر اپنی رہی سہی حیثیت اور وقار کھو بیٹھیں گے اور ان ہر دو منکرین اسلام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ ایک سہانا خواب علامہ اقبال نے بھی دیکھا تھا——— پاکستان کا——— جو تائید الٰہی سے 14 اگست 1947ء کو ایک روشن حقیقت بنا' اور اس کے ساتھ ہی عالم اسلام کے مذکورہ اتحاد اور مرکزیت کا خواب بھی تھا۔ پہلے خواب یعنی پاکستان کو اپنا قائد مل گیا' اب دوسرے خواب کی تعبیر کے لیے روح اسلام اپنے قائد کی راہ دیکھ رہی ہے۔ جو شخص اس خواب کو سچا کر دکھائے گا' وہ عہد حاضر کی اسلامی تاریخ کا عظیم انسان تصور ہوگا' چنانچہ ملت اسلامی کو اس دانائے راز کا شدت سے انتظار ہے' جو اسلام کی زمام امور اپنے ہاتھ میں لے۔

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں[53]

قرون اولیٰ میں امت مسلمہ کے مثالی اور بے نظیر کار ہائے نمایاں سے تاریخ عالم کے اوراق مزین ہیں۔ موجودہ دور انحطاط کے مسلمان بھی احساس ذمہ داری سے کام لیں تو کچھ بعید نہیں کہ وہ جذبہ ایمانی کے بل بوتے پر اپنی گم گشتہ متاع دوبارہ حاصل کر لیں' چنانچہ اقبال اس بات سے بہت پر امید بھی ہیں۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی[54]

اور اسی نظریے کی بنا پر انھوں نے متعدد مقامات پر دنیا بھر کے مسلمانوں کو ان کے منصب اصلی سے آگاہ کیا۔

مسلم خوابیدہ اٹھ' ہنگامہ آرا تو بھی ہو

وہ چمک اٹھا افق، گرم تقاضا تو بھی ہو[55]

کچھ عجب نہیں جس سرزمین نے اقبالؒ اور قائداعظمؒ ایسے دردمندان اسلام پیدا کیے، عالم اسلام کا یہ نیا قائد بھی اسی خاک پاک سے پیدا ہو کہ خود نظریہ پاکستان کا منطقی تقاضا بھی یہی ہے!

✢ ✢ ✢

www.IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006 اقبال اکادمی سائبر لائبریری

حواشی

1- زبور عجم ص 71 شیخ غلام علی ایڈیشن لاہور
2- رموز بیخودی ص 136" " "
3- بانگ درا ص 264" " "
4- پس چہ باید کرد ص 47،46" " "
5- مثنوی مسافر ص 84" " "
6- مثنوی مسافر ص 83" " "
7- رموز بیخودی ص 119" " "
8- اسرار خودی ص 43" " "
9- اسرار خودی ص 43" " "
10- ضرب کلیم ص 37" " "
11- بال جبریل ص 128" " "
12- اسرار خودی ص 43" " "
13- ضرب کلیم ص 57-58" " "
14- بانگ درا، ص 187" " "
15- رموز بیخودی ص 135" " "
16- رموز بیخودی ص 135" " "
17- رموز بیخودی ص 135" " "
18- بانگ درا ص 248" " "
19- رموز بیخودی ص 126" " "
20- پس چہ باید کرد ص 16" " "
21- بانگ درا ص 190" " "
22- رموز بیخودی ص 91" " "
23- بانگ درا ص 73" " "
24- بانگ درا ص 202" " "
25- رموز بیخودی ص 93" " "
26- رموز بیخودی ص 162-163" " "
27- قرآن کریم: آل عمران: 101-102
28- رموز بیخودی ص 140 شیخ غلام علی ایڈیشن، لاہور۔

29- بانگ درا ص 160" " "
30- پیام مشرق ص 129" " "
31- بانگ درا ص 270" " "
32- رموز بیخودی ص 157" " "
33- بانگ درا ص 273" " "
34- ضرب کلیم ص 25" " "
35- رموز بیخودی ص 104" " "
36- جاوید نامہ ص 192-193" " "
37- بانگ درا ص 193" " "
38- بال جبریل ص 66'71" " "
39- بانگ درا ص 147" " "
40- بانگ درا ص 265" " "
41- زبور عجم ص 83" " "
42- زبور عجم ص 72" " "
43- اسرار خودی ص 69" " "
44- بانگ درا ص 167" " "
45- بانگ درا ص 206" " "
46- رموز بیخودی ص 120" " "
47- بال جبریل ص 96'97" " "
48- رموز بیخودی ص 135" " "
49- رموز بیخودی ص 125" " "
50- رموز بیخودی ص 102" " "
51- ارمغان حجاز (فارسی) ص 90" " "
52- بال جبریل ص 82" " "
53- زبور عجم ص 73" " "
54- بانگ درا ص 11" " "
55- بانگ درا ص 211" " "

Serious and Academic

New English-language bi-monthly publication

MUSLIM & ARAB PERSPECTIVES

ISSN 0971-4367

Read in the the first issue:

- S. Ameenul Hasan Rizvi, Some errors in Abdullah Yusuf Ali's English translation of the Holy Qu'ran
- William R. Roff, Leavetakings: The separation stage of the Meccan pilgrimage
- Edward P Djerejian, The US, Islam and the Middle East
- Zafarul-Islam Khan, A Primary source of Islamic history
- Shah-i Hamadan Institute of Islamic Studies, Srinagar
- Recent publications
- Other regular topics

Next issue: **Focus on Palestine**: a mini-encyclopaedia and a living document on the Palestinian Question

Edited by the well-known scholar and writer, Dr Zafarul-Islam Khan

Yearly subscription:
Individuals Rs 150; institutions Rs 300
(Foreign by airmail: individuals US$15 / £ Stg 10; institutions US$30 / £ Stg 20)

The Institue of Islamic and Arabic Studies
P.O. Box 9701, 84 Abul Fazal Enclave,
New Delhi 110 025 India
Tel./fax (009111) 6835825

Send M.O. / stamps / coupons etc. worth Rs 15 / US$ 1.5 for a specimen copy